دولت میں

اللہ اور بندوں کا حق

مولانا سیّد جلال الدین عمری

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

قرآن مجید میں مال کو 'خیر' کہا گیا ہے۔ (البقرہ:۲۲۲۔المزمل:۲۰) اسے اللہ کے فضل سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ (المزمل:۲۰) اس کے لیے سعی و جہد جائز ہی نہیں کارِ ثواب ہے۔ اس کے ساتھ انفاقِ مال کا بھی حکم ہے۔ اس میں ترجیحات بھی بیان ہوئی ہیں۔ ارشاد ہے:

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ﴿۲۱۵﴾

(البقرۃ:۲۱۵)

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں۔ان سے کہو، جو مال تم خرچ کروگے اس میں حق ہے والدین، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا، ان پر خرچ کرو۔ جو کارِ خیر بھی تم کروگے اللہ اس سے باخبر ہے۔

اس طرح انفاق کا دائرہ قریب اور دور کے افراد تک وسیع ہے۔ اس سے سماج میں ہم دردی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ آخر میں اس دائرہ میں مزید وسعت کی ترغیب دی گئی کہ جو کارِ خیر بھی تمھارے ہاتھوں انجام پائے، اللہ کو اس کا علم ہے۔ وہ اس کا بہترین صلہ عطا کرے گا۔

اس کتابچہ میں اس کی ایک طرح سے تفصیل ہے۔ اس سے قبل بھی اس کی تین اشاعتیں نکل چکی ہیں۔ اب کی بار میں نے اس پر نظر ثانی کی ہے اور اسے مزید بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے نام میں بھی تھوڑی سی تبدیلی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس کے بہتر اجر سے نوازے۔

جلال الدین عمری

یکم نومبر ۲۰۲۱ء

دولت میں اللہ کا حق

مال و دولت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے

مال و دولت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ اور سراسر اس کا فضل ہے۔اس پر ہر انسان کو اسی کا شکر گزار ہونا چاہیے، لیکن انسان کی کم ظرفی ہے کہ اسے وہ اپنے علم اور قوت و صلاحیت کا نتیجہ سمجھتا اور اللہ کے احسان کو بھول جاتا ہے۔ حالانکہ اس کو فکر و عمل کی جو صلاحیتیں ملی ہیں اور تگ و دو کے جو مواقع اور سہولتیں حاصل ہیں وہ سب اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہیں۔ اس کی مدد اور فضل شاملِ حال نہ ہو تو کوئی بھی چیز وہ اپنے زورِ بازو سے حاصل نہیں کرسکتا۔ قرآن مجید نے اس کی ناسپاسی کا ذکر ایک جگہ اس طرح کیا ہے:

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ۭ بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۹

(الزمر:۴۹)

جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو مجھے (اپنے) علم اور قابلیت کی وجہ سے ملی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس میں اس کی آزمائش اور امتحان ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

دولت پر اللہ کا شکر واجب ہے

قرآن مجید نے اس ذہنیت پر سخت تنقید کی اور کہا کہ جن لوگوں کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہے وہ ناسپاسی کا رویہ ترک کریں اور اس کے شکر گزار بنیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف ایک حقیقت کا اعتراف ہے اور جو شخص حقیقت کو جھٹلاتا ہے وہ کسی دوسرے کا نہیں، اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اس نے مشرکینِ مکہ سے کہا کہ خانۂ کعبہ کی وجہ سے عرب کے ریگستان میں انھیں جو تجارتی اور معاشی فوائد حاصل ہیں اس پر انھیں اللہ کے سامنے جبینِ عبادت جھکا دینی چاہیے اور سجدۂ شکر بجالانا چاہیے، لیکن ان میں سے بیش تر اس احساس ہی سے محروم تھے۔

اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝۵۷

(القصص:۵۷)

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ امن والے حرم کو ہم نے ان کے قیام کی جگہ بنایا جہاں ہر طرف سے پھل کھنچے چلے آتے ہیں، ہماری طرف سے رزق کے طور پر۔ لیکن ان میں سے بیش تر نہیں جانتے۔

خانۂ کعبہ کی وجہ سے قریش کو جو تجارتی سہولتیں حاصل تھیں، سورۂ قریش میں زیادہ وضاحت سے ان کے ذکر کے بعد کہا گیا ہے کہ اس کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ ربِّ کعبہ ہی کی عبادت کریں اور اس سے سرتابی کی راہ نہ اختیار کریں۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ۝۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ۝۲ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ۝۳ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۝۴

(قریش:۱-۴)

قریش کے عادی ہوجانے یعنی اُن کے جاڑے اور گرمی میں (تجارتی) سفر کے عادی ہوجانے کی وجہ سے، ان کو اس گھر (خانۂ کعبہ) کے رب کی عبادت کرنی چاہیے، جس نے ان کو بھوک سے بچایا اور کھانے کو دیا اور (دشمنوں) کے خوف سے محفوظ رکھا۔

مکہ میں مسلمان خوف اور بے اطمینانی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور معاشی لحاظ سے پریشان حال تھے۔ مدینہ منورہ میں انھیں امن و سکون اور معاشی فراغت نصیب ہوئی۔ قرآن نے اس احسان کا ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ کے شکر کا مطالبہ کیا:

وَاذْكُرُوٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۲۶﴾
(الانفال:۲۶)

وہ وقت یاد کرو جب کہ تم تھوڑے سے تھے، زمین میں کم زور سمجھے جا رہے تھے، ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں اچک نہ لیں۔ پھر اللہ نے تمھارے لیے ایک ٹھکانا فراہم کیا، اپنی مدد سے تمھیں قوت بخشی اور کھانے کے لیے صاف ستھری چیزیں عطا کیں، تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

اعترافِ نعمت شکر ہے

شکر سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے اور ناشکری اس کے زوال کا سبب بنتی ہے۔ مال و دولت کا شکر دو طرح سے ادا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ انسان اس حقیقت کو تسلیم کرے کہ اسے جو کچھ ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے اور پھر، پوری زندگی میں احسان شناسی کا رویہ اختیار کرے۔ یہی اس کے لیے صحیح ترین رویہ ہے اور اسی میں اس کی کام یابی ہے۔ اُسے چھوڑ کر انسان جب بغاوت اور سرکشی کی روش اختیار کرتا ہے تو گویا اپنے لیے اس انجامِ بد کو پسند کرتا ہے، جو اس دنیا میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے باغیوں کا ہوتا رہا ہے۔

بندوں کا حق تسلیم کیا جائے

مال و دولت کے شکر کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس میں بندگانِ خدا کا حق تسلیم کیا جائے اور اسے ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس حق کو ادا کرکے انسان اپنا

اخلاقی اور قانونی فرض ہی ادا نہیں کرتا، بلکہ اپنی دولت اور ثروت کو بربادی سے بچاتا اور اس کی ترقی کا سامان کرتا ہے۔ جب کبھی انسان نے اس حق کے ادا کرنے میں غفلت اور کوتاہی کی اس کی ترقی کی راہ مسدود ہوگئی اور اس کے لیے اپنی دولت اور سرمایہ کا بچانا بھی مشکل ہوگیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جس معاشرہ میں رہتا ہے اور جس کے وسائل و ذرائع سے فائدہ اٹھا کر ترقی کرتا ہے، اگر اس کے حقوق نہ پہچانے تو بہت جلد اس کے تعاون اور ہم دردی سے وہ محروم ہوجاتا ہے۔ انسان کی معاشی ترقی میں اس کی سعی و تدبیر اور محنت کے ساتھ دوسروں کی کوششوں کا بھی براہِ راست یا بالواسطہ دخل ہوتا ہے۔ اگر وہ اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھے اور جن افراد کی مدد اور تعاون سے وہ اوپر اٹھا ہے ان کی بنیادی ضرورتوں اور جائز مطالبات کو بھی ٹھکرا کر آگے بڑھنا چاہے تو اُن کے اندر اس کے خلاف غم و غصہ اور نفرت کے جذبات کا بھڑک اٹھنا بالکل فطری ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے جب کہ وہی افراد جنھوں نے اُسے آگے بڑھایا تھا اسے پیچھے دھکیل دینا چاہتے ہیں۔ جہاں اس کا عقیدت و محبت سے استقبال ہوتا تھا وہاں ہر شخص اس کو نفرت و حقارت سے دیکھنے لگتا ہے۔ یہی چیز بالآخر اس کے زوال اور تباہی کا باعث بن جاتی ہے اور وہ جتنا اوپر اٹھا تھا اتنا ہی نیچے پہنچ جاتا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خود غرضی اور مفاد پرستی کا رویہ انسان کو اللہ کی رحمت اور لطف و عنایت سے محروم کر دیتا ہے۔ جو شخص زیر دستوں، کم زوروں اور محتاجوں کو نظر انداز کرکے دادِ عیش دیتا پھرے، وہ بہت جلد اس کے غضب کا نشانہ بن جاتا ہے۔ اور جس دولت و ثروت کو پا کر وہ اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق بھول گیا تھا وہ بسا اوقات اس سے چھین لی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں اس کو کئی ایک مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔

ناسپاس افراد کا انجام

بنی اسرائیل ایک غریب، خستہ حال اور مظلوم ومحکوم قوم تھی۔ اسی قوم میں قارون بھی تھا، جس کے خزانوں کی کنجیاں پوری ایک جماعت سے اٹھائے نہیں اٹھتی تھیں۔ اس بے پایاں دولت کو پاکر بجائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوتا اور انسانوں کا حق پہچانتا، اس نے ظلم وستم کا رویہ اختیار کیا اور دولت کے غرور نے دوسروں کو اس کی نگاہ میں حقیر اور ذلیل بنا دیا۔ اس پر اس کو نصیحت کرنے والوں نے نصیحت کی:

لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ۝ وَ ابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۝ (القصص:۷۶،۷۷)

گھمنڈ مت کرو، اس لیے کہ اللہ گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جو کچھ اللہ نے تمھیں دیا ہے اس سے دارِ آخرت کا سامان کرلو، دنیا میں جو تمھارا حصہ ہے اُسے مت بھولو اور لوگوں کے ساتھ اسی طرح احسان کرو جیسے اللہ نے تمھارے ساتھ احسان کیا ہے اور ملک میں فساد (برپا کرنے) کی خواہش مت کر۔ بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

قارون نے اس قیمتی نصیحت کوٹھکرا دیا۔ اس نے کہا:

اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ (القصص:۷۸) یہ سب کچھ تو مجھے اپنے علم کی وجہ سے ملا ہے۔

مطلب یہ کہ یہ دولت وثروت کسی نے مجھے نہیں بخشی ہے، بلکہ یہ میری ذاتی کوششوں اور صلاحیتوں کا ثمرہ ہے۔ اس لیے اس میں کوئی شخص نہ تو اپنے حق کا دعویٰ کرسکتا ہے اور نہ کسی کی خدمت مجھ پر واجب ہے۔ یہی وہ ذہن ومزاج ہے جو انسان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ قرآن نے کہا:

اَوَ لَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَ لَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ۝۷۸

(القصص:۷۸)

کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے بہت سی ان قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ طاقت ور تھیں اور جن کے پاس اس سے زیادہ دولت تھی۔ مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جاتا۔

مطلب یہ کہ قارون دولت کے نشہ میں مست تھا۔ اس نے اس حقیقت سے آنکھیں بند کرلی تھیں کہ دنیا میں اس سے زیادہ طاقت ور اور مال و دولت والے پیدا ہوئے، لیکن جب انھوں نے اللہ اور بندوں کے حقوق نہیں پہچانے تو قانونِ قدرت نے ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی اور وہ تباہ و برباد کردیے گئے۔

قارون کی شان و شوکت کا وہ عالم تھا کہ بہت سے نادان حسرت سے اُسے دیکھتے اور اس کی قسمت پر رشک کرتے تھے، لیکن جن کی نگاہیں دور رس تھیں وہ جانتے تھے کہ جو شخص خدا کو بھول چکا ہے اور بندوں کے حقوق پامال کر رہا ہے اس کا زوال یقینی ہے۔ اسے تباہی سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ چنانچہ یہی ہوا کہ قارون اپنے محل کے ساتھ زمین میں دھنسا دیا گیا۔ نہ تو کہیں اس کو پناہ ملی اور نہ وہ اپنے آپ کو بچا سکا۔ اس طرح اس کی ساری شان و شوکت دنیا کے لیے عبرت بن گئی اور اس کے انجام پر دو آنسو بہانے والا بھی کوئی نہیں رہا۔ (القصص:۷۹-۸۲)

سورۂ کہف میں دو آدمیوں کی مثال دی گئی ہے۔ ایک کے پاس انگور کے بہترین دو باغ تھے۔ ان باغوں کے چاروں طرف کھجور کے درخت تھے۔ کھیتی باڑی تھی۔ آب پاشی کے لیے نہر تھی، جس کی وجہ سے پیداوار بہت اچھی ہو رہی تھی اور اس کی خوش حالی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ لیکن دولت و ثروت نے اس کے اندر جذباتِ شکر کی جگہ غرور اور گھمنڈ پیدا کردیا۔ اس نے اپنے ساتھی سے حقارت آمیز لہجہ میں کہا:

اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا۝۳۴
(الکہف: ۳۴)

میں تجھ سے زیادہ مال رکھتا ہوں اور تجھ سے زیادہ طاقت ور افراد میرے ساتھ ہیں۔

مال و دولت کو پانے کے بعد جس طرح ایک دنیا دار آدمی یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس کی آسائش و راحت ابدی ہے، اسی طرح اس نے بھی سوچا کہ اسے عیشِ جاودانی مل گیا ہے اور اس کی خوش حالی کبھی ختم نہ ہوگی۔ جب اس سے کہا گیا کہ یہ دنیا ہی سب کچھ نہیں ہے، یہ تو دارِ فانی ہے، اس کے بعد آخرت بھی ہے، جہاں اُسے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا تو اس نے کہا: آخرت کا تصور میرے لیے ناقابلِ قبول ہے، میں اسے نہیں مانتا۔ اگر آخرت آ بھی جائے تو میرا انجام اچھا ہی ہوگا۔ جو آج خوش قسمت ہے وہ کل بدنصیب نہیں ہوسکتا۔ اس کے ساتھی نے اُسے سمجھایا کہ تم اللہ تعالیٰ کا انکار کسی طرح نہیں کرسکتے۔ اس لیے کہ تمھارا اپنا وجود ہی اس کی شہادت دے رہا ہے۔ اس نے تم کو عدم سے نکالا اور انسان بنایا۔ تمھیں جو دولت ملی ہے یہ بھی اسی کی طرف سے ملی ہے، اس پر تمھیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ لیکن اس نے یہ راستہ اختیار نہیں کیا۔ بالآخر اس کا انجام وہی ہوا جو ناسپاس افراد اور اقوام کا ہوتا ہے۔ قرآن نے اس کی بربادی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

وَ اُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِيْهَا وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا۝۴۲ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا كَانَ مُنْتَصِرًا۝۴۳ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا۝۴۴
(الکہف: ۴۲-۴۴)

اس کی ساری فصل برباد ہوگئی اور اپنے باغ کو الٹا پڑا ہوا دیکھ کر اس نے اس پر جو کچھ خرچ کیا اس پر وہ کفِ افسوس ملنے لگا اور کہنے لگا: کاش! میں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا ہوتا۔ کوئی گروہ اس کا ایسا نہ تھا جو اس کی مدد کرتا اور نہ خود اس میں بدلہ لینے کی طاقت تھی۔ اس وقت معلوم ہوگیا کہ سارا اقتدار اللہ کے ہاتھ میں ہے، اسی کے پاس بہتر بدلہ ہے اور وہی اچھے انجام تک پہنچاتا ہے۔

سورۂ قلم میں اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ بیان ہوا ہے۔ یہ واقعہ ایک باغ والوں کا ہے۔ جب ان کے باغ کی فصل تیار ہوگئی تو انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بالکل صبح سویرے اور لوگوں کے بیدار ہونے سے پہلے ہی فصل کاٹ لیں، تاکہ کسی محتاج اور مسکین کو علم نہ ہو اور وہ اپنی خالی جھولی لے کر نہ پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ کو اُن کی یہ سنگ دلی و بے رحمی اس قدر ناپسند ہوئی کہ راتوں رات اُن کی ساری فصل برباد ہوگئی اور وہ ہاتھ مل کر رہ گئے۔ وہ غریبوں کا حق مارنا چاہ رہے تھے کہ اپنے حق سے بھی محروم ہوگئے۔ لیکن ان کا ضمیر ابھی مرا نہیں تھا۔ ان کے اندر انسانیت، محبت اور ہم دردی ابھی زندہ تھی۔ چنانچہ ان ہی میں کے ایک نیک اور صالح فرد نے ان کو ان کے اس غلط رویہ کی طرف توجہ دلائی تو ان کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگے۔ اس واقعہ کے ذکر کے بعد قرآن نے کہا:

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ (القلم: ۳۳)	یہ ہے عذاب اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے۔ کاش! یہ اس بات کو جانتے۔

حدیثوں میں بھی صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ نعمت کے ملنے کے بعد اس کا شکر واجب ہے۔ شکر ادا نہ کیا جائے تو نعمت چھن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو مال و دولت عطا کرتا ہے تو اس میں بے شمار انسانوں کے حقوق رکھ دیتا ہے، پھر وہ یہ دیکھتا ہے کہ یہ حقوق ادا ہو رہے ہیں یا نہیں؟ اگر انسان خوش دلی کے ساتھ ان حقوق کو ادا کرے تو دولت باقی رہتی اور ترقی کرتی ہے۔ اس کے برخلاف جب وہ ان حقوق کے ادا کرنے میں غفلت برتنے لگتا ہے تو دولت کو گھن لگ جاتا ہے اور وہ دیر سویر ختم ہوجاتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما من عبد انعم الله عليه نعمة فاسبغها عليه ثم جعل من حوائج الناس اليه فتبرّم فقد	جس بندہ کو اللہ تعالیٰ پوری طرح نعمت سے نوازے اور پھر لوگوں کی حاجتیں اس سے وابستہ کردے (تو ضرور اسے ان حاجتوں کو پورا کرنا چاہیے)۔ اگر اس کے اندر اُس سے

عرض تلک النعمۃ للزوال[۱] اکتاہٹ اور انقباض پیدا ہوجائے تو وہ اپنی نعمت کو زوال کا نشانہ بناتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انَّ للّٰہ اقواما اختصھم بالنعم لمنافع العباد یقرھم فیھا ما بذلوھا فاذا منعوھا نزعھا منھم فحولھا الی غیرھم[۲] اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو خاص طور پر نعمتیں عطا کرتا ہے تا کہ بندوں کو فائدہ پہنچائیں۔ ان نعمتوں اور راحتوں میں وہ ان کو اس وقت تک باقی رکھتا ہے جب تک کہ وہ بندگانِ خدا پر اس کی یہ نعمتیں خرچ کرتے ہیں۔ جب وہ اس سے ہاتھ روک لیتے ہیں تو ان کو دوسروں کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

احادیث میں واقعات کی مدد سے بھی یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ مال و دولت کا شکر واجب ہے۔ شکر سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے اور ناشکری زوالِ نعمت کا سبب بنتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں تین معذور انسان تھے۔ ایک برص والا، دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مصیبت کے بعد راحت سے آزمانا چاہا تو اُن کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ فرشتہ سب سے پہلے برص والے کے پاس پہنچا اور دریافت کیا کہ تمھیں سب سے زیادہ کون سی چیز پسند ہے؟ اس نے جواب دیا: میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ یہ بیماری جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے کراہت اور گھن محسوس کرتے ہیں ختم ہوجائے، جسم کے دھبے دور ہو جائیں اور اچھی رنگت مل جائے۔ فرشتہ نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو اس کا مرض ختم ہوگیا اور اسے خوب صورتی مل گئی۔ اس کے بعد فرشتہ نے اس سے پوچھا: تمھیں کس قسم کی دولت

---

۱ قال المنذری رواہ الطبرانی باسناد جید۔ الترغیب والترھیب، الترغیب فی قضاء حوائج المسلمین الخ طبع بیروت ۱۹۹۶ء

۲ قال المنذری رواہ ابن ابی الدنیا والطبرانی فی الکبیر والاوسط ولو قیل بتحسین سندہ لکان ممکنا۔ الترغیب والترھیب، الباب السابق

سب سے زیادہ عزیز ہے؟ اس نے اونٹ یا گائے کا نام لیا اور اسے گابھن اونٹ یا گابھن گائے جو اس نے چاہا مل گئی۔ فرشتہ نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تمھارے مال میں برکت عطا کرے اور چلا گیا۔

پھر وہ گنجے کے پاس گیا اور اس کی پسندیدہ چیز دریافت کی۔ اس نے کہا: میری سب سے بڑی تمنا یہ ہے کہ یہ گنجا پن دور ہوجائے اور اچھے بال مل جائیں۔ فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کا گنجا پن جاتا رہا اور خوب صورت بال نکل آئے۔ فرشتہ نے اس سے پوچھا کہ وہ کس قسم کی دولت چاہتا ہے؟ تو اس نے گائے یا اونٹ کا انتخاب کیا اور وہ اسے مل گئی۔ فرشتہ نے برکت کی دعا دی اور چلا گیا۔ اس کے بعد وہ اندھے کے پاس آیا اور اس کی سب سے بڑی خواہش دریافت کی۔ اس نے جواب دیا کہ میری سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ بینائی عطا کردے اور میں پھر سے دنیا دیکھ سکوں۔ فرشتہ نے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو اس کو بینائی مل گئی اور وہ دیکھنے لگا۔ فرشتہ نے اُس سے بھی پوچھا کہ تمھیں کس قسم کی دولت چاہیے۔ اس نے بکری کا انتخاب کیا۔ چنانچہ اُسے ایک گابھن بکری مل گئی۔ فرشتہ نے اس کے لیے بھی خیر و برکت کی دعا دی اور چلا گیا۔

زمانہ گزرا اور ان جانوروں کی نسل خوب پھیلی۔ ان تینوں میں سے ایک اونٹوں کے ریوڑ، دوسرا گایوں کے اور تیسرا بکریوں کے گلّے کا مالک ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دولت کا امتحان لینا چاہا۔ چنانچہ وہی فرشتہ دوبارہ ایک مسافر کی شکل میں برص والے کے پاس پہنچا اور کہا: میں ایک مسکین اور ضرورت مند آدمی ہوں، راستہ کی مشکلات میں گھِر گیا ہوں۔ تمام وسائل اور ذرائع ختم ہوگئے ہیں۔ اب اللہ کی مدد اور تمھارے تعاون ہی سے منزل تک پہنچ سکتا ہوں۔ اس اللہ کا واسطہ دے کر تم سے ایک اونٹ مانگ رہا ہوں، جس نے تمھیں صحت و تندرستی بخشی اور یہ دولت عطا کی۔ اس نے جواب دیا: بہت سے حقوق اور ذمے داریاں ہیں جنھیں مجھے ادا کرنا ہے۔ اس لیے میں تمھاری کوئی مدد

نہیں کرسکتا۔ فرشتہ نے اس سے کہا: مجھے خیال آتا ہے کہ میں نے تمھیں پہلے بھی دیکھا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ تم برص میں مبتلا تھے، اللہ نے تمھیں اس سے شفا عطا کی اور تم فقیر تھے، اللہ نے تمھیں یہ دولت دی؟ جب واقعہ یہ ہے تو تمھیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس نے جواب دیا: تم غلط کہتے ہو۔ یہ دولت مجھے اپنے باپ دادا سے ملی ہے۔ فرشتہ نے بد دعا کی کہ اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو اللہ تمھیں اسی حالت میں لوٹا دے، جس میں تم پہلے پڑے ہوئے تھے۔ پھر وہ گنجے کے پاس گیا اور اس سے بھی یہی درخواست کی۔ اس کا جواب بھی برص والے کے جواب سے مختلف نہیں تھا۔ فرشتے نے اُسے بھی بد دعا دی اور چلا گیا۔ آخر میں وہ اندھے کے پاس پہنچا۔ جب اسے اس کی سابقہ حالت یاد دلائی تو اس نے اعتراف کیا کہ ہاں میں اندھا تھا۔ اللہ نے مجھے بینائی عطا کی اور مال و دولت سے نوازا۔ بکریوں کا یہ گلّہ موجود ہے تمھیں جتنی بکریوں کی ضرورت ہو اس میں سے لے لو۔ میری طرف سے پوری اجازت ہے۔ فرشتے نے کہا: مجھے تمھارے مال کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے دراصل اس طرح تم لوگوں کو آزمایا تھا۔ تم تو اس آزمائش میں پورے اُترے اور تمھارے دونوں ساتھی ناکام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے رویہ سے خوش ہے اور ان سے ناخوش۔ [1]

ایک اور حدیث ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص میدان میں گزر رہا تھا۔ اس نے غیب سے آواز سنی کہ اوپر بادل کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کردو۔ چنانچہ بادل ایک خاص سمت میں بڑھنے لگا اور کچھ دور ایک سنگلاخ زمین پر برس پڑا۔ پھر ایک چھوٹے سے نالہ میں یہ پانی بہنے لگا۔ یہ شخص جو اس حیرت انگیز واقعہ کا مشاہدہ کر رہا تھا نالہ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ نالہ ایک باغ میں پہنچ رہا

---

[1] بخاری، کتاب الانبیاء، باب حدیث ابرص و اقرع و اعمیٰ۔ مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب قصة اصحاب الاخدود الخ

ہے اور وہاں ایک آدمی اپنے باغ کو پانی دے رہا ہے۔ اس نے اس کا نام پوچھا، تو باغ والے نے اپنا وہی نام بتایا، جو اس نے اوپر سنا تھا۔ باغ والے نے اس سے کہا: بندۂ خدا! یہ تو بتاؤ کہ تم نے میرا نام کیوں دریافت کیا؟ اس نے پورا واقعہ اُسے سنایا اور دریافت کیا کہ وہ اپنے باغ میں کن باتوں کا خیال رکھتا ہے، جس کی وجہ سے اللہ نے خاص طور پر اس کے باغ کو سیراب کرنے کا حکم دیا۔ اس نے جواب دیا کہ اس باغ سے جو پیداوار ہوتی ہے اس کے تین حصے کرتا ہوں۔ ایک حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہوں، دوسرے سے اپنے اور اپنے بچوں کی ضروریات پوری کرتا ہوں اور تیسرا حصہ خود اس باغ کی دیکھ بھال میں صرف کرتا ہوں۔"[۱]

اس طرح کے واقعات کے بارے میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی کوئی تاریخی حیثیت ہے یا یہ محض تمثیل ہیں۔ لیکن یہ سوال زیادہ اہم نہیں ہے۔ اصل اہمیت اس بات کی ہے جو ان میں کہی گئی ہے۔ سادہ الفاظ میں وہ بات یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال و دولت سے نوازے اس پر اس کا شکر واجب ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ بھی شکر ہے کہ انسان اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کے انعام اور اس کے فضل و احسان کا اعتراف کرے، لیکن اس سے بڑا اور حقیقی شکر یہ ہے کہ اسے اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال کرے اور اس میں بندوں کے جو حقوق ہیں انھیں ادا کرے۔

ناسپاس قومیں تباہ ہوجاتی ہیں

افراد کی طرح قومیں بھی جب ناسپاسی کا رویہ اختیار کرتی ہیں تو تباہ و برباد ہوجاتی ہیں اور ان کی شان و شوکت اور زور و سطوت خاک میں مل جاتی ہے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پا کر اُسے بھول جاتی ہے اور اس کا یہ احساس ختم ہو جاتا ہے کہ جس برتر ہستی نے اُسے نوازا ہے اسے اس کا شکر گزار

---

[۱] مسلم، کتاب الزهد، باب الصدقة فی المساكين

ہونا چاہیے تو وہ اس کی اطاعت و فرماں برداری سے منحرف ہو جاتی ہے اور اس کے عذاب اور پکڑ سے بے خوف ہوکر زندگی گزارنے لگتی ہے۔ اس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ اس کے بندوں کے حقوق بھی ضائع ہونے لگتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بندوں کی حق تلفی میں بہت گہرا تعلق ہے۔ جو قوم اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو اس کے اندر صحیح معنی میں اس کے بندوں سے ہم دردی کا جذبہ بھی پژمردہ ہونے لگتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے حقوق ضائع کرنے کی اس میں جرأت پیدا ہو جاتی ہے تو اُسے بندوں کے حقوق پامال کرنے میں بھی کوئی باک نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کو بھولنے کے بعد اس کے بندوں کو بھول جانا آسان ہوتا ہے ___ کسی خدا فراموش اور خدا بے زار قوم سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ انسانوں کے ساتھ عدل و انصاف، محبت، ہم دردی، حسنِ سلوک اور احسان کا اعلیٰ اور شریفانہ رویہ اختیار کرے گی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی کسی قوم نے اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی تو اس کے اندر خودغرضی اور ظلم و زیادتی پرورش پانے لگی۔ اس کے طاقت ور اس کے کم زوروں کو لوٹنے لگے، اس کے اصحابِ ثروت نے اپنی دولت وثروت میں اللہ کے کسی بندہ کا حق تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور اس کے آسودہ حال افراد نے اپنی آسائش و راحت میں کسی کو شریک کرنا پسند نہیں کیا۔ یہی چیز بالآخر ان کی تباہی و بربادی کا باعث ہوئی۔

قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ کہا ہے کہ جن قوموں کو دنیا کی فراغت ملی اور انھوں نے بار بار کی یاد دہانی اور تنبیہ کے باوجود ناسپاسی کا رویہ ترک نہیں کیا اور عیش و عشرت میں مبتلا ہوکر اللہ کی نافرمانی اور بغاوت پر اصرار کرتی رہیں، ان کی آسائش و راحت ان سے چھین لی گئی اور وہ تباہ کر دی گئیں۔ ایک جگہ کفرانِ نعمت کے اس بھیانک انجام سے آگاہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا محسن و مالک ماننے اور شکر کا رویہ اختیار کرنے کی ہدایت ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً
مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ
مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ
لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا
يَصْنَعُوْنَ۝۱۱۲ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ
مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَ
هُمْ ظٰلِمُوْنَ۝۱۱۳ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ
حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ
كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۝۱۱۴

(النحل: ۱۱۲-۱۱۴)

اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی بستی کی مثال دی جو اپنی جگہ امن اور چین سے تھی۔ ہر طرف سے روزی اس کے پاس بڑی کشادگی کے ساتھ آتی تھی لیکن جب اس نے اللہ کے احسانات کی ناشکری کی تو اس نے فقر و فاقہ اور خوف و ہراس کا لباس اسے پہنا دیا۔ ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے، ان کے پاس ان ہی میں سے ایک رسول آیا لیکن انھوں نے اُسے جھٹلایا۔ پھر ان کو عذاب نے پکڑ لیا اس لیے کہ وہ ظالم تھے۔ پس تم کھاؤ جو کچھ حلال و طیب اللہ نے تمھیں دیا ہے۔ اللہ کے احسان کا شکرادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ
مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ
مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَ كُنَّا نَحْنُ
الْوٰرِثِيْنَ۝۵۸ (القصص: ۵۸)

کتنی ہی ایسی بستیاں ہم تباہ کر چکے ہیں جن کے لوگ اپنی خوش حالی پر اترانے لگے تھے۔ یہ ان کے مقامات ہیں جو ان کے بعد کم ہی آباد ہوئے اور ہم ہی وارث ہو کر رہے۔

تاریخ سے مثالیں

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے بہت سے احسانات کیے۔ ان کو حکومت و اقتدار بخشا، دنیا کی امامت عطا کی، مادی قوت سے نوازا، کھانے پینے کے لیے بہترین چیزیں عطا کیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان میں نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری کیا۔ قرآن مجید نے ان احسانات کا ذکر اس طرح کیا ہے:

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ

ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور

وَ الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ (الجاثية:۱۶)

نبوت عطا کی، کھانے کے لیے پاک چیزیں دیں اور انھیں دنیا والوں پر فضیلت بخشی۔

ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں فرعون کے ظلم و ستم سے بچایا، توریت جیسی مقدس کتاب دی اور بے آب و گیاہ صحرائے سینا میں من و سلویٰ اُتارا۔ اللہ کی نعمتوں سے خوب فائدہ اٹھاؤ، لیکن بغاوت اور سرکشی نہ اختیار کرو ورنہ اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا اور تم ہلاک کردیے جاؤ گے۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَ مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ (طٰہٰ:۸۱)

جو پاک چیزیں ہم نے تم کو دی ہیں ان میں سے کھاؤ اور اس میں زیادتی نہ کرو۔ ورنہ تم پر میرا غصہ اُترے گا اور جس پر میرا غصہ اترتا ہے وہ اوپر سے نیچے آرہتا ہے۔

لیکن بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد مچایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا اقتدار ان سے چھن گیا اور ان کے دشمن ان پر غالب آگئے۔ ایک مدت کے بعد اللہ نے ان پر احسان کیا۔ نہ صرف یہ کہ انھیں ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا کیا بلکہ ان کے مال و اولاد میں برکت عطا فرمائی اور ان کی نفری میں اضافہ کیا۔ ان کو ہدایت کی گئی کہ وہ شکر کا رویہ اختیار کریں، کفرانِ نعمت نہ کریں۔ اس میں کسی دوسرے کا نہیں خود ان ہی کا فائدہ ہے:

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴿۶﴾ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۫ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ (بنی اسرائیل:۶-۷)

پھر ہم نے باری لوٹادی اور تمھیں ان پر غلبہ عطا کیا۔ اور مال و اولاد سے تمھاری مدد کی اور تمھاری تعداد کو بڑھایا۔ اگر تم نے بھلائی کی تو اپنے لیے بھلائی کی اور برائی کی تو اپنے لیے کی۔

انھوں نے اس نصیحت کو فراموش کر دیا اور ناسپاسی اور نافرمانی کی روش نہ چھوڑی۔

چنانچہ ان کے دشمن ان پر دوبارہ غالب آ گئے۔ ان کے مقدس مقامات کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اور وہ ہر طرح ذلیل و خوار ہوئے۔ اس پر ان سے کہا گیا:

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ ۚ وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ (بنی اسرائیل:۸)

ہوسکتا ہے کہ تمھارا رب پھر تم پر رحم کرے۔ لیکن اگر تم وہی کروگے جو پہلے کیا تھا تو ہم بھی وہی کریں گے جو اس سے پہلے کر چکے ہیں۔

یہی بات سورۂ ابراہیم میں اس طرح کہی گئی ہے:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَ لَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۝ (ابراھیم:۷)

اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ تمھارے رب نے یہ اعلان کیا کہ اگر تم شکر کروگے تو جو میں نے دیا ہے ضرور تمھیں اس سے بھی زیادہ دوں گا۔ لیکن اگر تم ناشکری کروگے تو سمجھ لو کہ میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔

بنی اسرائیل نے جب اللہ تعالیٰ کی ہر چھوٹی بڑی نعمت کی ناقدری کی اور اپنے قول و عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ شکر گزار قوم بننا نہیں چاہتی تو وہ ساری نعمتیں ایک ایک کر کے اس سے چھین لی گئیں، جن سے اسے نوازا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی ناسپاس قوم کسی دوسرے کا نہیں خود اپنا ہی نقصان کرتی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے کہا:

وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ (البقرۃ:۵۷)

انھوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ وہ اپنے ہی اوپر ظلم کر رہے تھے۔

اس کی ایک اور مثال قومِ سبا کی ہے۔ حضرت مسیحؑ سے تقریباً دو سو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو بڑی مادّی ترقی اور خوش حالی عطا کی تھی۔ انھوں نے بڑے بڑے بند باندھ کر عرب کے ریگستان کو سر سبز و شاداب بنا ڈالا تھا۔ ان کی آبادی کے دونوں طرف مسلسل دور دور تک ہرے بھرے باغات پھیلے ہوئے تھے۔ اسی کے ساتھ شام تک ان کی تجارت کا سلسلہ جاری تھا۔ راستہ کی آبادیوں سے ان کے تعلقات اچھے تھے۔

اس لیے سفر بے خوف وخطر ہوتا تھا اور وہ پورے اطمینان سے تجارتی فوائد حاصل کر رہے تھے، لیکن اس فراغت اور خوش حالی نے انھیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیا اور وہ یہ بھول گئے کہ ان نعمتوں پر انھیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کا فرماں بردار بن کر رہنا چاہیے۔ نصیحت کرنے والوں نے ان کو نصیحت کی:

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿١٥﴾	اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ پاکیزہ شہر ہے اور مغفرت کرنے والا رب۔ (سبا:۱۵)

لیکن انھوں نے اس نصیحت اور خیر خواہی کو ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے عیش وعشرت میں لگے رہے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ زراعت کی ترقی کے لیے انھوں نے جو بند باندھے تھے وہ سیلاب سے ٹوٹ گئے اور وہ معاشی لحاظ سے تباہ ہوگئے۔ ان کی یہ تباہی بخت واتفاق سے نہیں تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی نعمتوں کی ناسپاسی کا نتیجہ تھی۔ اس وجہ سے قرآن کہتا ہے:

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿١٧﴾	یہ ہم نے اُن کو اُن کی ناشکری کا بدلہ دیا اور ہم اس طرح کا بدلہ اسی کو دیتے ہیں جو ناشکر گزار ہو۔ (سبا:۱۷)

اس کے بعد فرمایا:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿١٩﴾	بے شک اس میں اس شخص کے لیے (عبرت کی) نشانیاں ہیں جو صبر کرنے اور شکر کرنے والا ہے۔ (سبا:۱۹)

یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ صبر وشکر کا راستہ ہی کام یابی کا راستہ ہے۔ جب انسان تکلیف پر جزع فزع اور آسائش وراحت پر ناشکری کا رویہ اختیار کرنے لگتا ہے تو یہیں سے اس کی ناکامی کا آغاز ہوجاتا ہے۔

سورۂ فجر میں بعض ایسی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے جو اپنے وقت کی بہت ترقی یافتہ

قومیں تھیں اور مادی لحاظ سے عروج کو پہنچی ہوئی تھیں، لیکن ان کی مادی سربلندی ان کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔ اس کے بعد مکہ کے زر پرستوں اور سرمایہ داروں سے خطاب کرکے کہا گیا:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَ لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾	ہرگز نہیں، تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ہو اور مسکین کو کھانا کھلانے پر نہیں اُبھارتے ہو اور میراث کا سارا مال کھا جاتے ہو اور مال سے بری طرح محبت کرتے ہو۔

(الفجر:۱۷-۲۰)

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان قوموں کی تباہی کا ایک سبب یہ بھی رہا ہے کہ انھوں نے یتیموں، مسکینوں اور محتاجوں کے حقوق نہیں پہچانے، مال کی محبت میں ان ذمے داریوں کو بھول گئے جو ان پر عائد ہوتی تھیں اور تمام اخلاقی حدود کو پامال کر کے مال جمع کرنا شروع کر دیا۔ اب تم بھی اُن ہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہو۔ اس لیے قانونِ قدرت کے مطابق تم بھی اسی انجام سے دوچار ہوگے، جس سے پچھلی قومیں دوچار ہوئی تھیں۔